ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کا تجزیہ
(منتخب کتب تفسیر کی روشنی میں)

محمد لطیف خان *

عبد الرحیم اصغر **

قرآن حکیم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ حق و صداقت کا نڈر ترجمان ہے۔ اسے اپنی سچائی کے لیے نہ کسی فلسفی کی تائید کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی قدیم یا جدید سائنس دان کے کسی نظریے یا تجربے کی۔ قرآن حکیم اس بات کا محتاج بھی نہیں کہ فلسفیوں یا سائنس دانوں کی تحقیقات و جستجو کے نتائج اس سے ہم آہنگ ہوں۔ قرآن حکیم اس بات سے بھی بے نیاز ہے کہ اگر کوئی سائنسی تحقیق اس کے کسی بیان کے خلاف ہو تو اس بیان کو زبردستی وہ معنی پہنائے جائیں جن کو قبول کرنے کے لیے وہ ہرگز تیار نہیں۔ قرآن حکیم قائد ہے اور باقی تمام علوم اس کے پیرو ہیں۔ یہ راہنما ہے اور باقی تمام علوم اس کے مقلّد ہیں۔ انسان کی پیدائش کے متعلق کئی نظریات پیش کیے گئے اور اپنی موت آپ مر گئے۔ انسان کی پیدائش سے متعلق تین نظریات زیادہ مشہور ہیں۔

۱۔ قرآن حکیم کا نظریہ (سابقہ آسمانی صحائف سے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے)۔

۲۔ ڈارون کا نظریۂ ارتقاء۔ ۳۔ آفت گیری کا نظریہ (۱)

ڈارون کا نظریہ کہ انسان بندر کی ترقی یافتہ شکل ہے، بڑے جوش و خروش سے اٹھا اور عقائد کی قدیم دنیا میں ایک زلزلہ سا برپا کر گیا۔ لیکن قرآن حکیم اپنے روایتی انداز کے مطابق کبھی کسی باطل نظریہ سے نہ تو خائف ہوا ہے اور نہ ہی ہراساں۔ انسان کی ابتدا اور پیدائش کے بارے میں قرآن حکیم کے حقائق کے خلاف بقیہ تمام نظریات ظن و تخمین اور ناقص استقراء پر مبنی ہیں۔ ان کا کوئی سرا بھی نہیں ملتا۔ درمیان کی کئی کڑیاں بھی گم ہیں۔ چند بکھری ہوئی کڑیوں کو زبردستی جوڑ کر ایک زنجیر کا نام دے دینا کبھی بھی حقیقت نہیں بن سکتا۔ اور نہ ہی اسے استقراء تام تسلیم کر کے اس سے کوئی نظریہ اخذ کرنا دانش مندی ہے۔ آفت گیری کے نظریہ کے مطابق زندہ اجسام اچانک وجود میں آتے ہیں۔ ان کے وجود کے لیے پہلے سے کوئی ماحول یا ذرائع ہونا

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم القرآن والتفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان

** ایم فل سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف پونچھ، راولاکوٹ، آزاد کشمیر

نہیں ہیں (۲)

قرآن حکیم صاف الفاظ میں جو کچھ کہہ رہا ہے وہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانِ اول (حضرت آدم علیہ السلام) کو براہِ راست مٹی سے پیدا فرمایا اور اس کو ایسی نادر قوّتیں عطا فرمائیں کہ جس کی مثال کسی اور مخلوق میں نہیں ملتی۔ اسی کو اشرف المخلوقات بنایا (۳)۔ حضرت آدم علیہ السلام سے ہی سب سے پہلی عورت پیدا فرما کر حضرت آدم علیہ السلام کی جوڑی بنائی، اس کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی تھا۔ کوئی دوسرا اس کارِ تخلیق میں شریک نہ تھا۔ پھر اس جوڑے سے جو اولاد پیدا ہوئی اور پھر ہر مرد و عورت کے ملاپ سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے اس کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اسی طرح ہر نوع کی مخلوق کی تخلیق براہِ راست ہوئی اور اس کے بعد ہر مخلوق میں ایسی خصوصیات اور خود کار انتظامات رکھ دیے گئے کہ آگے اس کی افزائش خود بخود ہوتی جائے (۴)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں انسان کی تخلیق کا جس اہتمام سے ذکر فرمایا، اس اہتمام سے کسی دوسری مخلوق کا ذکر نہیں فرمایا۔

انسان سمیت کائنات کی تخلیق کا تیسرا نظریۂ آفت گیری کا نظریہ ہے۔ اس نظریہ کا بانی کوپییرٗ (۱۷۹۶ء۔ ۱۸۳۲ء) تھا۔ فرانس کا یہ باشندہ تشریح الاعضاء کا ماہر تھا۔ اس نظریہ کے مطابق جان داروں کی تمام انواع کے تابیے (Egg cells) علیحدہ علیحدہ طور پر تخلیق ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد یہ تمام انواع ارضی اور سماوی آفات کی وجہ سے نیست و نابود ہو گئے۔ اس کے بعد کچھ اور حیوانات پیدا ہوئے۔ یہ بھی حوادثِ زمانہ کا شکار ہو گئے۔ اسی طرح مختلف ادوار میں مختلف حیوانات پیدا ہوتے گئے اور فنا ہوتے گئے۔ کچھ ہزار سال پہلے موجودہ جان دار پیدا ہوئے جو کہ ابھی تک زندہ ہیں اور ایک وقت آئے گا کہ یہ بھی اپنا دور پورا کر کے فنا کے گھاٹ اُتر جائیں گے (۵)۔

تاریخی پس منظر

یہ نظریہ سب سے پہلے ارسطو (۳۸۴۔ ۳۲۲ ق م) نے پیش کیا تھا۔ قدیم دور میں ثالیس، عناکسی میندر، عناکسی مینس، ایمپی وو کل اور جوہر پسند فلاسفہ بھی نظریۂ ارتقاء کے قائل تھے۔ مسلمان مفکرین میں سے ابنِ خلدون، ابنِ مسکویہ اور حافظ مسعودی نے بھی مشابہت کی بنا پر کسی حد تک اس نظریہ کی حمایت کی

ہے(۶)۔ڈارون کے آباء واجداد مذہبی پس منظر رکھتے تھے۔ڈارون شروع میں عیسائی مذہب کا پیرو تھا۔کیمرج کرائسٹ کالج سے اس نے گریجویشن کیا۔اس کا علمِ حیاتیات یا طب میں پہلے سے کوئی تجربہ نہیں تھا۔(۷) اپنی پہلی کتاب(Origin Of Species)لکھنے کے بعد لا ادریت کے مقام پر آگیا۔ اس کے بعد جب مزید دو کتابیں (Decent of Man)اور(Origin of Man) لکھیں تو اپنے نظریہ میں پختہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا بھی منکر ہو گیا۔ اہلِ کلیسانے اس پر کفر والحاد کا فتویٰ لگا دیا(۸)۔ڈارون عیسائیت کی ماوراء العقل تعلیمات کی وجہ سے مذہب بیزار تھا۔ اس سے پہلے ارسطو اور لامارک کے ارتقاء کے نظریات عوام میں کافی حد تک معروف تھے۔

ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کے مطابق زندگی لاکھوں صدیوں میں مختلف ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی بندر کی شکل تک پہنچی اور پھر بندر سے ترقی پا کر انسان کی شکل میں نمودار ہوئی۔ڈارون نے جب اپنے نظریہ کا اعلان کیا تو اس وقت یورپ مذہب دشمنی کی رو میں بہ رہا تھا۔ لوگ مسیحیت کی خلافِ عقل اور ناقابلِ فہم تعلیمات سے اکتا گئے تھے۔ عقل و فہم کے صبر کی انتہا ہو گئی تھی۔ اب لوگ مذہب سے بیزار اور بغاوت پر اتر آئے تھے۔ مسیحیّت کے علم برداروں کی انسانیت سوز حرکات کے خلاف اس وقت ایک طوفان اٹھا ہوا تھا۔ ہر وہ بات جو مسیحی تعلیمات سے متصادم ہوتی، لوگ اسے دیوانہ وار قبول کر لیتے۔ ہر قدیم نظریہ کو مسترد کر دینا ان لوگوں کا فیشن بن چکا تھا۔ مذہب سے بیزاری کا جو عام رجحان پیدا ہو گیا تھا، اس کے باعث ڈارون نے جب یہ نظریہ پیش کیا تو لوگوں نے آنکھیں بند کر کے اس کو خوش آمدید کہا۔ اس نظریہ کو معرضِ وجود میں آئے ہوئے تقریباً پونے دو صدی کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اس کے پرستاروں نے اس نظریہ کے لیے کوئی ٹھوس بنیاد فراہم کرنے اور اسے ایسے دلائل سے مزیّن کرنے کے لیے، جن کے باعث اس نظریہ کی صداقت شک و شبہ سے بالا تر ہو جائے، اپنی عمریں صرف کر دیں۔ لیکن اس میں انہیں بُری طرح ناکامی ہوئی۔

روزِ اوّل کی طرح آج بھی ان کے پاس ظن و تخمین کے سوا کوئی اور سہارا نہیں ہے۔ مختلف اوقات میں ان کے مختلف اندازے سامنے آتے ہیں اور اپنی موت آپ مر جاتے ہیں۔ کبھی کسی غار سے دس لاکھ سال پرانا انسانی ڈھانچہ ملتا ہے اور اس کے سر کی ساخت کو کسی قسم کے بندر کے سر کی ساخت سے کچھ کچھ مشابہ قرار دیتے ہیں۔ اور اس اندازے کا سہارا لیتے ہوئے انسان کو بندر کی ترقی یافتہ صورت کہتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ

مختلف جانوروں میں مصنوعی طور پر نسل کَشی کے ذریعے سے ان کی نسل میں مختلف قسم کی تبدیلیاں لائی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح بندر میں بھی اگر تبدیلی رونما ہوگئی ہو اور اس نے انسان کا روپ دھار لیا ہو تو کیا بعید ہے ؟ کبھی تشریح الابدان کے ماہرین کے حوالے سے انسانی جسم کے چند اعصاب ڈھونڈ نکالتے ہیں کہ ان کا انسانی جسم میں کوئی مصرف نہیں۔ اس سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ انسانی جسم کے جن اعضاء کو یہ اعصاب مصروفِ کار رکھتے تھے، وہ اعضاء مختلف ارتقائی مدارج میں ناپید ہو گئے مگر یہ اعصاب باقی رہ گئے۔ اور پھر ان ناپید اعضاء کو انسانی دُم کا نام دے دیتے ہیں۔ کبھی مختلف برّاعظموں کے انسانوں کے وصفی اختلافات کو سامنے رکھ کر کہتے ہیں کہ اگر یہ اختلاف موجود ہیں تو تدریجی ارتقاء بھی بعید از امکان نہیں ہے۔ یہ اور اس قسم کے دیگر تمام قیاسات، جن پر یہ نظریہ قائم ہے، ظن و تخمین کے سوا کچھ نہیں۔ نظریہ کے ثبوت کے لیے جتنے بھی قیاسات پیش کیے گئے ہیں، وہ فکر و نظر کے کسی بھی معیار پر پورا نہیں اترتے اور نہ ہی انہیں سائنسی نظریہ کہا جاسکتا ہے۔ اس نظریہ کا پرچار کرنے والے اپنے ایک بیان کی ایک پیچیدگی کو دور کرنے کے لیے مزید کئی پیچیدگیوں سے دوچار ہو جاتے ہیں۔(۹) اس نظریہ کے حاملین عیسائیت سے شعوری یا لاشعوری طور پر بدلہ لینے کے لیے مذہب سے کوسوں میل دور چلے گئے اور خالقِ کائنات کے وجود سے ہی انکار کر بیٹھے۔ تاہم انسان کی ابتداء کے بارے میں ابھی تک کوئی واضح سائنسی ثبوت سامنے نہیں آسکا۔(۱۰) اس نظریہ کا پرچار کرنے والوں میں مادہ پرست، دہریت پسند اور اشراکیّت نواز شامل ہیں۔ یہ تینوں بظاہر الگ الگ مکاتبِ فکر ہیں مگر ان تینوں کی قدرِ مشترک اللہ تعالیٰ کی ہستی سے انکار ہے۔(۱۱)

برِّ صغیر میں اس نظریہ کو متعارف کروانے اور عوام میں مقبول بنانے کے لیے مغربی افکار سے مرعوب قرآنی مفکرین نے اسے اپنایا اور اس کا خوب چرچا کیا۔ سر سیّد احمد خان جو یورپ میں کافی عرصہ رہے، ڈارِون کے ہم عصر تھے اور سوامی دیانند سے شدید متاثر تھے۔ انھوں نے اس نظریہ میں جدّت پائی تو اسے قبول کر لیا اور اس کے بعد ادارہ طلوع اسلام نے سر سید کی تقلید میں اس نظریہ کا پرچار کیا۔ یہ ایک ایسا نظریہ ہے جسے مغربی مفکرین، مادی اور سائنسی لحاظ سے ردّ کر چکے ہیں مگر برِ صغیر کے قرآنی مفکرین اسے سینے سے لگانا فخر سمجھتے ہیں۔ یہ وہی مفکرین ہیں جنہوں نے حدیث کے یقینی علم کا انکار کیا۔ غلام احمد پرویز نے بھی اس نظریہ کو ان دو شرائط کے ساتھ قبول کر لیا تھا:

۱۔پہلے جرثومۂ حیات میں زندگی خود بخود نہیں آئی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے عطا کی تھی۔
۲۔انسان کا فکر و شعور، ارتقاء کا نتیجہ نہیں بلکہ نفخِ خداوندی کا نتیجہ ہے۔(۱۲)

ڈاروِنزم

ڈاروِن کے نظریہ کے مطابق زندگی کی ابتدا اربوں سال پہلے سمندر کے کنارے پر پانی سے شروع ہوئی۔ پھر اس سے نباتات اور اس کی مختلف انواع وجود میں آئیں۔ اس نظریہ کے مطابق زمین کے ہر جان دار کی بنیاد اور اکائی ایک ہی ہے۔ اس نظریہ کے بارے میں عبد الرحمٰن کیلانی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"سب سے پہلے کائی نمودار ہوئی۔ پھر اس کائی کے نیچے حرکت پیدا ہوئی۔ یہ زندگی کی ابتدا تھی۔ پھر نباتات میں سے کچھ انواع ترقی کرتے کرتے حیوانات کا رُوپ دھار گئیں۔ ان ہی حیوانات سے غیر انسانی، نیم انسانی اور انسانی حالتوں کے مختلف مدارج سے ترقی کر کے موجودہ انسان وجود میں آیا۔ شروع کے حیوانات پر اور بازو والے حیوانات بنے۔ اس کے بعد فقاریہ (Vertebrates) جانور بنے۔ پھر انسان سے مشابہ حیوان اور پھر اس کی ترقی یافتہ شکل انسان کی صورت میں سامنے آئی۔ اس کے بعد پہلا انسان بنا جس میں عقل، فہم اور بولنے کی صلاحیتیں نہیں تھیں۔ آخر میں اس انسان نے پھر ترقی کی اور وہ فہم و فراست والا انسان بن گیا۔"(۱۳)

اس تدریجی ارتقائی سفر کے دوران کوئی ایسا نقطہ متعین نہیں کیا جاسکتا جہاں سے غیر انسانی حالت ختم ہو کر نوعِ انسانی کا آغاز ہوا ہو۔ انیسویں صدی عیسوی سے پہلے یہ ایک گم نام سا نظریہ تھا۔ انیسویں صدی کے وسط (۱۸۵۹ء) میں چارلس ڈاروِن (۱۸۰۸ء۔۱۸۸۲ء) نے ایک کتاب "اصل الانواع (Origin Of The Species)" لکھ کر اس نظریہ کو باضابطہ طور پر پیش کیا۔ اس نظریہ کے ماننے والوں میں بھی کافی اختلافات ہوئے۔ جان داروں کی انواع کا ذکر کرتے ہوئے ڈاروِن نے بندر اور انسان کو حس اور ادراک کی مشترکہ خصوصیات کے پیشِ نظر ایک ہی نوع میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ انسان اور بندر کے آباو اجداد میں بہت زیادہ خصوصیات مشترک تھیں پھر انسان میں یہ خصوصیات ترقی پاتی گئیں اور انسان کی موجودہ شکل بن

گئی۔ گویا یہ نظریہ انسان کو بندر کا چچازاد بھائی قرار دیتا ہے۔ لیکن کچھ انتہا پسندوں نے انسان کو بندر ہی کی اولاد قرار دے دیا۔ کچھ ان سے بھی آگے بڑھ گئے اور انسانوں کی اس انداز میں گروہ بندی کر دی۔

۱۔ سفید فام انسان چمپینزی (chimpanzee) کی اولاد ہیں۔ ۲۔ سیاہ فام انسانوں کا باپ گوریلا ہے۔
۳۔ لمبے سُرخ ہاتھوں والے انسان، تکنان بندر کی اولاد ہیں۔ (۱۴)

مؤرخین نے ان مختلف رنگوں پر مشتمل انسانی نسلوں کو حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں حام، سام اور یافث کی اولاد قرار دیا تھا۔ کچھ مفکرین نے بندر کو انسان کی اولاد کہا ہے لیکن ان لوگوں کا یہ استدلال غلط ہے۔ اپنے اس نظریہ کی دلیل میں یہ لوگ قرآن حکیم کی یہ آیت پیش کرتے ہیں جب کہ انسانوں کے بندر بننے کے واقعہ سے پہلے بھی دنیا میں بندر موجود تھے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ (۱۵)

(اور تم اُن لوگوں کو خوب جانتے ہو، جو تم میں سے ہفتے کے دن (مچھلی کے شکار) میں حد سے تجاوُز کر گئے تھے۔ تو ہم نے ان سے کہا کہ تم سب ذلیل وخوار بندر بن جاؤ)۔

ڈارون نے اپنی پہلی کتاب "Origin Of The Species" کے بعد "اصل الانسان (Origin Of Man)" اور پھر "تسلسلِ انسانی (Decent Of Man)" لکھ کر اپنے نظریہ کی مزید تائید کی۔ (۱۶)

نظریہ ارتقاء کے بنیادی اصول

ڈارون نے اپنی کتاب "Origin Of The Species" میں اپنے نظریہ کو درج ذیل چار اصولوں پر استوار کیا ہے:

۱۔ تنازع للبقا ۲۔ طبعی انتخاب ۳۔ ماحول سے ہم آہنگی ۴۔ قانونِ وراثت۔

تنازع للبقاء (Struggle For Existance)

اس سے مراد زندگی کی بقاء کے لیے کشمکش ہے۔ تمام جان دار پیدائش کے بعد اپنی زندگی کی بقا کے لیے کوشش شروع کر دیتے ہیں۔ اس کوشش کے دوران یہ جان دار خوراک اور دیگر سہولیات کے حصول کے لیے دوسرے جان داروں سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اس کشمکش میں صرف وہ جان دار باقی رہ جاتے ہیں جو زیادہ

مکمل اور طاقت ور ہوتے ہیں۔ کمزور جان دار اس مقابلہ کے دوران ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کی مثال میں ڈارِون لکھتا ہے کہ اگر کسی جنگل میں چند وحشی بیل گھاس چرتے ہوں تو ان میں سے طاقت ور بیل گھاس پر قبضہ جما لیتے ہیں اور اس طرح مزید طاقت ور ہو جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ چرنے والے کمزور بیل خوراک کی نایابی کے باعث مزید کمزور ہو کر بالآخر ختم ہو جاتے ہیں۔(۱۷) اسی طرح تمام جاندار اپنی نسل کو باقی رکھتے ہیں۔ طاقتور خوراک کے حصول میں کامیاب رہتے ہیں جبکہ کمزور رفتہ رفتہ معدوم ہو جاتے ہیں۔

طبعی چناؤ(Natural Selection)

نامساعد اور دشوار حالات میں جو جانور اپنا آپ بچا لیتے ہیں ان کی نسل باقی رہتی ہے۔ مثلاً ایک جگہ سے گھاس وغیرہ ختم ہونے پر دوسری جگہ پر نقل مکانی کرتے ہوئے دشوار گزار راستوں کو عبور کر کے صرف وہی جانور نئی منزل پر پہنچتے ہیں جو طاقت ور اور مضبوط ہوتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو یہی جانور خطرات سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ اور کمزور خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ گویا فطرت خود طاقت ور اور مضبوط کو باقی رکھتی ہے اور کمزور اور ناقص کو ختم کر دیتی ہے۔ اس چناؤ میں چونکہ قدرت خود ہی نسل کی بقاء کے لیے کچھ جانوروں کو چن لیتی ہے، لہٰذا اس عمل کو طبعی چناؤ کا نام دیا گیا ہے۔(۱۸) یہ بھی دراصل پہلے مرحلے کی ایک کڑی ہے جس میں طاقتور قدرتی چناؤ کے تحت باقی رہتے ہیں جبکہ کمزور کی نسل ختم ہو جاتی ہے۔ ڈارون اس مرحلے کو قدرتی چناؤ کا نام دیتا ہے۔

ماحول سے ہم آہنگی(Adoption)

ڈارِون نے ماحول سے ہم آہنگی کا نظریہ لاءمارک سے لیا ہے۔ اس کے مطابق اگر کسی ماحول میں جانوروں کی خوراک ختم ہو جائے تو وہ نئے ماحول کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیتے ہیں۔ اس کی مثال اس انداز میں دی جاسکتی ہے کہ شیر گوشت خور جانور ہے۔ فطرت نے اس کی ضروریات کے پیشِ نظر اس کو نوکیلے دانت دیئے ہیں۔ اگر شیر کو ایک طویل مدت تک گوشت نہ ملے تو اس کی دو ممکنہ صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ وہ بھوک سے مر جائے گا۔ ۲۔ وہ نباتات کھانا شروع کر دے گا۔

اگر وہ نباتات کھانا شروع کر دے گا تو اس صورت میں اس کے نوکیلے دانت رفتہ رفتہ خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ اور ایسے نئے اعضاء وجود میں آنا شروع ہو جائیں گے جو موجودہ ماحول کے مطابق ہوں گے۔ اس کی

آنتیں بھی طویل ہو کر سبزی خور جانوروں کے مشابہ ہو جائیں گی۔ اسی طرح اگر شیر کو خوراک ملنے کی واحد صورت یہ ہو کہ اسے خوراک کے حصول کے لیے درخت پر چڑھنا پڑ جائے تو آہستہ آہستہ اس کے ایسے اعضاء پیدا ہونا شروع ہو جائیں گے کہ وہ درخت پر چڑھنے میں مدد دے سکیں۔ اسی طرح باقی جانوروں اور انسانوں میں بھی پرانے اعضاء ختم اور ضروریات کے بقدر نئے اعضاء وجود میں آجاتے ہیں۔(۱۹)

قانونِ وراثت (Law Of Inheritance)

ہیئت اور ماحول کے اختلاف کی وجہ سے جانوروں میں جو تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں وہ نسلاً بعد نسلٍ اگلی نسلوں میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ یہ اختلاف فروعی کے بجائے نوعی بن جاتا ہے۔ یہ نوعی اختلاف مستقل طور پر جانوروں میں موجود رہتا ہے اور اگلی نسلوں میں ایک نئی نوع کے وجود کا سبب بنتا ہے۔ یوں جانوروں میں ارتقاء کا عمل ہوتا ہے جو کہ انتہائی سست رفتار ہوتا ہے۔ یہ چار مراحل ڈارون کے نظریہ کا خلاصہ ہیں۔ جو ڈارون کی زندگی میں بھی ایک نظریہ تھا اور آج بھی ایک نظریہ سے آگے نہ بڑھ سکا۔ اس نظریہ کو دلائل کی کوئی ٹھوس بنیاد مہیا نہ ہو سکی اور یہ نظریہ قانون نہ بن سکا۔(۲۰)

یہ چار مراحل ڈارون کے نظریہ کا خلاصہ ہیں۔ جو ڈارون کے نظریہ کا خلاصہ ہیں جو اس کی زندگی میں بھی ایک نظریہ تھا اور آج بھی ایک نظریہ سے آگے نہ بڑھ سکا۔ اس نظریہ کو دلائل کی کوئی ٹھوس بنیاد مہیا نہ ہو سکی اور یہ نظریہ سائنسی قانون کا درجہ نہ پا سکا۔

انسان کے ارتقاء کی مدّت

ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کے مطابق پانی سے انسان بننے تک کے مراحل کا عرصہ کچھ اس طرح ہے:

۱۔ دو ارب سال پہلے سمندر کے کنارے پانی میں کائی نمودار ہوئی۔ یہ زندگی کا آغاز تھا۔

۲۔ ساٹھ کروڑ سال پہلے کائی سے یک خلوی جان دار وجود میں آئے۔

۳۔ ستاون کروڑ سال پہلے اسفنج اور سہ خلوی جان دار ظاہر ہوئے۔

۴۔ پینتالیس کروڑ سال قبل پتّوں کے بغیر پودے ظاہر ہوئے۔ اسی دور میں ریڑھ کی ہڈی والے جانور بھی وجود میں آئے۔

۵۔ تیس کروڑ سال پہلے مچھلیاں، کنکھجورے اور بڑے بڑے دلدلی جانور پیدا ہوئے۔ یہ جانور چار فُٹ لمبے اور پینتیس ٹن تک وزنی تھے۔

۶۔ سترہ کروڑ سال پہلے بغیر دُم کے بوزنے سیدھے ہو کر چلنے لگے (۲۱)

۷۔ ستر لاکھ سال پہلے اس بغیر دُم بوزنے کی ایک قسم تیھکن تھروپس سے پہلی انسانی نسل پیدا ہوئی۔

۸۔ بیس لاکھ سال پہلے پہلی باشعور انسانی نسل پیدا ہوئی۔ جس نے پتھر کا ہتھیار بنایا۔

۹۔ اٹھارہ لاکھ سال پہلے اس انسان میں ذہنی ارتقاء ہوا اور غاروں میں رہنا شروع کیا۔ (۲۲)

نظریۂ ارتقاء پر اعتراضات

نظریۂ ارتقاء کو شروع سے ہی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اہلِ مذہب تو اس نظریہ کو سرے سے ماننے کے لیے تیار ہی نہ تھے۔ البتہ کچھ لوگوں نے اس پر غور کیا اور بعض نے اس نظریہ پر تجربات بھی کیے۔ تجربہ کرنے والوں میں ڈارون کا چچازاد بھی تھا۔ سب سے پہلا اعتراض بھی اسی نے کیا تھا۔ اس کے بعد سائنس دانوں اور مفکرین نے اس نظریہ پر علمی و تحقیقی اعتراضات کیے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ زندگی کی ابتدا

زندگی کی ابتدا کے بارے میں نظریۂ ارتقاء کی ہر ناکام دلیل کے بعد مائیکرو بیالوجی کے ماہرین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہر چیز کے پیدا کرنے والا کوئی ضرور ہے۔ خود بخود کوئی بھی چیز پیدا نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ارتقاء کے نتیجے میں کوئی مخلوق ترقی پا سکتی ہے۔ عصر حاضر میں لوگ لاعلمی کی بنیاد پر نظریۂ ارتقاء کو سائنس سمجھے ہوئے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ وسیع الظرفی سے اگر کوئی سائنس دان کام کر رہا ہو تو لوگ اس کی باتوں پر یقین نہیں کرتے۔ (۲۳) نظریۂ ارتقاء میں زندگی کی ابتدا کے بارے میں غیر سائنسی انداز سے بتایا گیا ہے۔ معلول موجود ہے مگر علت کا کوئی علم نہیں ہے۔ زندگی کی ابتدا کا معمہ سائنس کی دسترس سے باہر ہے حتیٰ کہ یہ بات انسان کے احاطۂ ادراک میں بھی نہیں ہے۔ انسانی ذہن شائد اس راز کو کبھی بھی نہ پا سکے۔ (۲۴) نظریہ اس لحاظ سے بھی غلط ہے کہ شروع سے آج تک کھرب ہا کھرب جرثومے انشقاقی طریقے (Fission Method) سے اپنی نسل جاری رکھے ہوئے ہیں مگر کسی جرثومہ کو آج تک کسی نے نباتات بنتے نہیں دیکھا۔ (۲۵)

۲۔ ارتقائی مشاہدات کا فقدان

ارتقاء کا ایک چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی آج تک کسی انسان کے مشاہدہ میں نہیں آ سکا کہ کوئی چڑیا ارتقائی منازل طے کر کے مرغا بن گئی ہو۔ کوئی گدھا ارتقائی منازل کے بعد گھوڑا بن گیا ہو۔ لوگوں نے کسی چمپینزی، گوریلا، بندر یا بن مانس کو انسان بنتے نہیں دیکھا۔ حیوانات جس طرح ابتدا میں تخلیق ہوئے آج بھی بالکل اُسی طرح موجود ہیں۔ حشرات الارض جیسی کمزور مخلوق بھی حوادثِ زمانہ کے ساتھ ختم نہ ہو سکی اور عصرِ حاضر میں بھی اسی طرح موجود ہے جیسے کہ شروع سے تھی۔ ریشم کے کیڑے کی داستانِ حیات بھی ارتقاء کے نظریہ کی تردید کرتی ہے۔ انتہائی چھوٹے بحری جانور جو ابتدا میں پائے جاتے تھے آج بھی اسی تابانی کے ساتھ موجود ہیں اور اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ ان حقائق کی بنا پر بہت سے مفکرین نظریۂ ارتقاء کے بجائے تخلیقِ خصوصی (آفت گیری کے نظریہ) کے قائل ہیں۔(۲۶) ان حقائق کی بنا پر بہت سے مفکرین نظریہ ٔ ارتقائی کے بجائے تخلیق خصوصی (آفت گیری کے نظریہ) کے قائل ہیں۔

۳۔ تاریخی عدم تسلسل

ڈارونزم میں تاریخی لحاظ سے تسلسل کا واضح فقدان سامنے آتا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق بندر کی کسی نسل نے ترقی کی منازل طے کیں اور موجودہ انسان وجود میں آیا۔ بندر سے انسان بننے کے مراحل میں بیچ کی کئی نسلوں کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ اس صورت حال کو گم شدہ کڑیوں کا نام دے دیا جاتا ہے۔ ان گم شدہ کڑیوں کی وجہ سے نظریۂ ارتقاء کی بہت سی مخلوط اور متضاد تعبیریں کی جاتی ہیں۔(۲۷) تفسیر تیسیر القرآن میں ان گم شدہ کڑیوں کے بارے میں لکھا ہے:

> ”اس نظریہ کی یہ دشواری عرصہ سو سال سے زیرِ بحث چلی آ رہی ہے۔ مثلاً فقاریہ اور غیر فقاریہ جانوروں کی درمیانی کڑی، مچھلیوں اور جل تھلیوں کی درمیانی کڑی، خزندوں اور پرندوں کی درمیانی کڑی، بندر اور انسان کی درمیانی کئی کڑیاں غائب ہیں۔“(۲۸)

ڈارونزم والے بندر کی جس نوع کے لیے انسان کی سابق نسل ہونے کے دعوے دار ہیں، اس کے اور انسان کے درمیان دس متوقع ارتقائی تبدیلیاں بنتی ہیں۔ آج انسان اور بندر کی وہ قِسم، دونوں اس دنیا میں موجود ہیں مگر ان

دونوں کی درمیانی دس اقسام کا دنیا میں کہیں بھی وجود نہیں ہے۔(۲۹) حالانکہ یہ مراحل اگر وقوع پزیر ہوئے بھی ہوتے تو کروڑوں سالوں میں اکر مکمل ہوتے۔ان مراحل کی درمیانی کڑیاں نہ ہونے اوران کی وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے ڈارون کا نظریہ ارتقاء دم توڑ جاتا ہے۔ان اعتراضات کی وضاحت نہ ہونے کے باوجود بھی اس نظریہ کے حامی اپنی ہٹ دھرمی پر مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں۔

۴۔کمزور کی بقاء

نظریۂ ارتقاء کے مطابق جو طاقت ور ہوتا ہے وہ خوراک کے حصول کے لیے اپنے سے کم زور کے ساتھ مقابلے میں غالب آجاتا ہے اور کم زور نسل دنیا سے نیست ونابود ہو جاتی ہے۔ اس طرح طاقت ور کی افزائشِ نسل ہوتی ہے اور کم زور کی نسل ختم ہو جاتی ہے۔اس نظریہ کے مطابق دنیا پر پہلا انسان کمزور اور ناقص العقل خیال کیا جاتا ہے۔ اگر وہ ایسا ہی تھا تو اس وقت کے شیروں اور دیگر طاقت ور درندوں کے کیسے بچ گیا؟ انسان اپنی اس ابتدائی کمزوری میں تنازع للبقاء میں کیسے کامیاب ہو گیا۔(۳۰)اس طرح عرصہ دراز سے کمزور سپیشیز سینکڑوں سالوں سے اسی طرح کمزور ہی چلی آتی ہیں، نہ تو حوادثِ زمانہ نے انہیں ختم کیا اور نہ ہی یہ معدوم ہوئیں۔

۵۔انسان کی ذہنی ترقی

انسان اور بندر کے ذہن اور شعور میں واضح فرق ہے۔انسان کی سوچ، سمجھ اور تخلیقی صلاحیتوں جیسی صفات بندر میں نہیں ہیں۔ نظریۂ ارتقاء کے مطابق ابتدائے زندگی سے بندر بننے تک شعوری ترقی دو ارب سال میں واقع ہوئی۔اس لحاظ سے بندر اور انسان کی شعوری ترقی کے فرق میں کئی ارب سال کا عرصہ درکار تھا۔جب کہ زمین کی عمر صرف پندرہ ارب سال بتائی جاتی ہے تو انسان میں عظیم الشان ذہنی ترقی اتنے تھوڑے عرصہ میں کیسے آگئی۔(۳۱) جبکہ نسل انسانی کی ابتدا سے تاحال سائنسی ترقی انسانی ذہن کی کامیابیوں کے بارے میں بتاتی ہے کہ صرف ایک صدی میں انسان نے اپنے دماغ سے کام لے کر بہت زیادہ ترقی کرلی ہے۔اس تھوڑے وقت میں اتنی بڑی ترقی اور پچھلے اربوں سال کے عرصہ میں ترقی نام کی بھی نہیں۔یہ بات بھی عقل سے بالاتر ہے۔

۶۔ ارتقائی اصولوں کا عدم ثبوت

ڈارون نے ارتقاء کے جو چار اصول بتائے ہیں وہ تجربات پر پورا نہیں اترتے۔ بغیر دُم کے کتّوں کے بارے میں ڈارون کہتا ہے کہ لوگ کچھ عرصہ تک کتوں کی دُم کاٹ دیا کرتے تھے۔ اس طرح قانونِ وراثت کے تحت بغیر دُم کے کتے پیدا ہوگئے۔ اگر یہ صحیح ہے تو عرب اور عبرانی لوگ صدیوں سے ختنہ کرواتے چلے آرہے ہیں لیکن اس کے باوجود مختون بچے پیدا نہیں ہوتے ۳۲۔ نر انسانوں کے سینے پر استعمال نہ ہونے کے باوجود پستانوں کا بدنما داغ صدیوں سے باقی ہے۔ انسان سے کم تر درجے کی مخلوق کے نر میں یہ نشان موجود نہیں ہے تو پھر اس عدمِ استعمال پر یہ نشان انسان میں کہاں سے آگیا؟ اسی طرح ایک ہی ماحول میں رہنے والے جانوروں کے درمیان بہت زیادہ فرق کی وجہ بھی نظریۂ ارتقاء سے واضح نہیں ہوتی۔ (۳۳) تو پھر اس عدمِ استعمال پر یہ نشان انسان میں کہاں سے آگیا؟ اسی طرح ایک ہی ماحول میں رہنے والے جانوروں کے درمیان بہت زیادہ فرق کی وجہ بھی نظریہءِ ارتقاء سے واضح نہیں نہیں ہوتی۔

۷۔ رکاز (fossils) اور ڈھانچے

انسانوں اور جانوروں کی وہ ہڈیاں یا ڈھانچے جو عرصۂ دراز سے مدفون تھے اور اب ملے ہیں۔ نظریۂ ارتقاء کی رو سے انسان سے کم تر جانوروں کے ڈھانچے زمین کے زیریں حصہ میں جب کہ انسان کے ڈھانچے زمین کے اوپر والے حصہ میں ہونے چاہئیں مگر مشاہدات اس کے برعکس ہیں۔ ڈاکٹر ہلوک نورباقی کے مطابق:

> "Piltdown man, the most famous of these, was proven to be a fake by radioactive experiments and thrown out of the British museum together with the trash. Furthermore, the brain of a primate weighs 130 grams."(۳۴).

(ان میں سے سب سے زیادہ مشہور قبل از تاریخ انسان (کی کھوپڑی) ہے جو کہ تابکار شعاعوں کے تجربات کے ذریعے سے جعلی ثابت ہوا اور برٹش میوزیم سے کوڑے کرکٹ کی طرح باہر نکال پھینکا گیا۔ مزید برآں اس پرائیمیٹ کے دماغ کا وزن ۱۳۰ گرام تھا)۔

برِٹش میوزیَم والوں نے، گڑھے سے ملنے والے ایک قدیم ڈھانچے پر ریڈیو ایکٹو تجربات کیے اور اس کے بعد اس ڈھانچے کو اپنے میوزیم سے نکال کر باہر پھینک دیا کیونکہ وہ اتنا پرانا نہیں تھا جتنا کہ ڈاروِنزم والوں

نے بتایا تھا۔ گڑھے سے جس قدیم ترین مخلوق کا ڈھانچہ ملا تھا، اس کے دماغ کا وزن ۱۳۰ گرام ہے جب کہ انسانی دماغ کا اوسط وزن ۱۳۵۰ گرام ہے۔ آج تک جتنے بھی ڈھانچے ملے ہیں ان میں کوئی بھی انسانی ڈھانچہ ایسا نہیں ملا جو دس ہزار سال سے زیادہ پرانا ہو۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں ایک گڑھے سے کسی بندر کی ملنے والی اس کھوپڑی کے بارے میں یوں وضاحت کی گئی ہے:

> "Piltdown man was 'discovered' when some bones were found in 1912 on Piltdown common in southern England. It was later proved to be a trick, perhaps meant to be a joke, when scientific tests showed that they were a mixture modern human and ape bones that had been treated to look ancient"(۳۵)

(قبل از تاریخ انسانی ہڈیاں جنوبی انگلستان میں ۱۹۱۲ء میں 'دریافت' ہوئیں۔ بعد میں یہ ایک چال ثابت ہوئی، شائد اس کا مطلب مذاق تھا، جب سائنس دانوں نے تجربات کے ذریعے بتایا کہ یہ جدید انسان اور بندر کی ہڈیوں کا ملغوبہ تھا جو پرانا دکھائی دینے کے قابل بنایا گیا تھا)۔

۸۔ اپنڈکس

ڈاروِنزم کے حامی انسانی آنتوں میں پائی جانے والی ایک بافت "اپنڈکس" کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ارتقائی سلسلہ کی بے مقصد باقیات ہے۔ مگر جدید تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ یہ آنتوں کے لیے لعاب کا اخراج کرتی ہے اور عملِ ہضم کے لیے فائدہ مند بیکٹیریا کی تعداد میں باقاعدگی پیدا کرتی ہے۔ اس سے بھی نظریہ ارتقاء کا غیر حقیقی ہونا ثابت ہوتا ہے۔(۳۶)

جان داروں کے گروہ

جان داروں کی گروہ بندی قدیم سائنس ہے۔ زمین پر پائے جانے والے زندگی کے تمام ادوار میں سے عصرِ حاضر، جدید ترین دور ہے۔ اس دور میں جان داروں کی جو گروہ بندی کی گئی ہے اس میں ایک دوسرے سے مماثلت رکھنے والے جان داروں کو ایک گروہ میں رکھا گیا ہے۔ اس لحاظ سے جان داروں کے گروہ در گروہ بنائے گئے ہیں۔ ارسطو (۳۰۰ق۔م) نے تمام جان داروں کے صرف دو گروہ بنائے گئے تھے جن میں جان ور اور پودے شامل تھے۔ ۱۸۸۶ء میں ایک جرمن ماہر حیاتیات ارنسٹ ہیکل (Ernst Haeckel) نے نئ گروہ

بندی کی اور دو کے بجائے تین گروہ بنا دیئے اس نے پہلے سے موجود دو گروہوں میں ایک اور گروہ کا اضافہ دیا اور اسے یک خلوی جان داروں کا گروہ کہا گیا۔

جان داروں کی حیاتیاتی مماثلتوں اور عدم مماثلتوں پر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جدید تحقیقات ہوتی رہیں۔ ان تحقیقات کی بناء پر جان داروں کی گروہ بندی میں بھی تبدیلیاں کی جاتی رہیں۔ ۱۹۳۸ء میں ایک امریکی ماہر حیاتیات ہربرٹ کوپلینڈ (Herbert Copeland) نے ایک بار پھر گروہ بندی میں تبدیلی کی اور چار گروہ بنا ڈالے۔ اس نے یک خلوی جان داروں کو دو گروہوں میں تقسیم کر کے ان کے نام مونیرا (Monira) اور پروٹیسٹا (Protista) رکھے۔

مونیرا گروہ میں ایسے ایسے بیکٹیریا شامل ہیں جن میں مرکزہ (Nucleus) نہیں ہوتا اور پروٹسٹا میں مرکزہ والے تمام یک خلوی جان دار رکھے گئے ہیں جن میں الجی کی تمام انواع بھی شامل ہیں۔ حیوانات میں یک خلوی جان داروں کے علاوہ وہ تمام جان دار شامل ہیں جو اپنی خوراک خود تیار نہیں کر سکتے بلکہ پودوں کی تیار کی ہوئی خوراک کو استعمال کرتے ہیں۔ ان میں پودوں کے علاوہ تمام کثیر خلوی جان دار شامل ہیں۔ عالمِ نباتات میں وہ جان دار شامل ہیں جو، اپنے جسم کے اندر موجود عضویوں، ہوا میں موجود کاربن ڈائی آکسائیڈ اور سورج کی روشنی کی مدد سے اپنی خوراک تیار کرتے ہیں۔ ان میں یوگلینا اور کلے میڈوموناس جیسے یک خلوی جان دار اور کثیر خلوی پودے اور درخت بھی شامل ہیں۔

۱۹۵۷ء میں ایک امریکی ماہر حیاتیات رابرٹ ایچ۔ وہائٹکر (Robert H. Whittaker) نے پانچواں گروہ بھی متعارف کروایا اور اس کا نام فنجائی Fungi پھپھوندی رکھا۔ ۱۹۹۰ء تک تمام جان داروں کے پانچ گروہ تھے۔

۱۔ مونیرا۔ ۲۔ پروٹیسٹا۔ ۳۔ فنجائی۔ ۴۔ جانور۔ ۵۔ پودے

۱۹۹۰ء میں ایک امریکی ماہر حیاتیات کارلووئس (Carl Woese) نے ایک بار پھر جان داروں کے صرف دو بڑے گروہ بنا ڈالے۔ یہ دو گروہ خلیاتی مماثلت اور عدم مماثلت کی بنا پر تھی۔ ان دو گروہوں میں نیوکلیس والے (Eukaryotes) اور بغیر نیوکلیس والے (Prokaryotes) جان دار شامل ہیں۔ نیوکلیس

والے گروہ میں موجود جان داروں کی آپس میں کچھ عدم مماثلتیں بھی ہیں۔ ان عدم مماثلتوں کی بنا پر ان کی مزید گروہ بندی کی گئی ہے اور ان کے مزید چھوٹے گروہ بنائے گئے ہیں۔ ان میں پروٹسٹا، فنجائی، جانور اور پودے شامل ہیں(۳۷)۔ ان گروہوں کے مزید گروہ در گروہ بنائے گئے ہیں اور ان کے نام اس انداز میں ہیں۔

کنگڈم :سب سے بڑا گروہ، جو کہ صرف تین ہیں۔ اور اوپر درج کیے گئے ہیں۔

فائیلم : ہر کنگڈم میں جان داروں کی مماثلت کے مطابق مزید کئی بڑے گروہ بنائے گئے ہیں۔

کلاس : ہر فائیلم کا چھوٹا گروہ۔ آرڈر : ہر کلاس کا چھوٹا گروہ۔

فیملی : ہر آرڈر کا چھوٹا گروہ۔ جینس : ہر فیملی کا چھوٹا گروہ۔

سپیشیز : مماثلت اور عدم مماثلت کے تحت سب سے چھوٹا گروہ جس کی مزید گروہ بندی نہ کی جا سکتی ہو۔

نام : جینس اور سپیشیز کو ملا کر اس نوع کا نام رکھ دیا جاتا ہے۔

بنی نوع انسان کی اس انداز میں گروہ بندی کی گئی ہے۔

Kingdom...............Animilia, Phylum.................Chordata,

SubPhylum.........Vertibrata, Class.......................Mammalia,

Order.....................Primate Family..................Homonoid,

Genus.................Homo, Species..............Sapien,

Name..................HomoSapien۳۸.

قرآن حکیم اور گروہ بندی

قرآن مجید نے سائنس کی جدید گروہ بندی سے سینکڑوں سال قبل جانوروں اور پودوں کی گروہ بندی کر دی تھی۔ جانوروں کی گروہ بندی کے بارے میں قرآن حکیم میں بھی ارشاد ہے۔

وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَاءٍ فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى بَطْنِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى أَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ(۳۹)

اور اللہ تعالیٰ نے چلنے پھرنے والی ہر چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ پس ان میں سے کچھ اپنے پیٹ کے بل رینگتے ہیں۔ اور ان ہی میں سے کچھ دو پاؤں پر چلتے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ اللہ جس کو جیسا چاہتا ہے بناتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر [نوع کی] مخلوق [بنانے] پر قادر ہے

قرآن حکیم میں پودوں کی گروہ بندی کے بارے میں بھی ان کی مماثلتوں اور عدم مماثلتوں کے بارے میں ارشادات موجود ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ(۴۰)

"اور وہی تو ہے جو آسمان سے بارش برساتا ہے۔ پھر ہم ہی اس سے ہر قسم کی نباتات اُگاتے ہیں۔ پھر اس میں سے سرسبز کونپلیں نکالتے ہیں اور ان کونپلوں میں سے ایک دوسرے کے ساتھ جُڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں۔ اور کھجور کے گابھے میں سے لٹکتے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار جو [شکل، ذائقے اور دیگر خصوصیات میں] ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی ہیں"۔

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَى بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ(۴۱)

"اور زمین میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے کئی طرح کے قطعات ہیں۔ اور انگور کے باغ اور کھیتی اور کھجور کے درخت ہیں، بعض کی زیادہ شاخیں ہیں اور بعض کی کم شاخیں ہیں۔ پانی سب کو ایک جیسا ملتا ہے اور ہم ذائقے میں بعض کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں۔ بے شک اس میں سمجھنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں"۔

دیگر تمام مخلوق کے بارے میں قرآن حکیم کی اس حکمت بھری گروہ بندی کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے تخلیق، ترکیب، سوجھ بوجھ، عقل و شعور اور شکل و صورت کے حوالے سے ایک الگ گروہ بنایا اور فرمایا۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (۴۲) تحقیق! ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے۔

ان مماثلتوں میں حیاتیاتی، عضوی یا ترکیبی، کیمیائی اور جینیاتی مماثلتیں شامل ہیں۔ ان گروہ بندیوں اور مماثلتوں میں انسان کی مماثلت کسی ایسے گروہ سے نہیں ملتی کہ انسان کو اس نوع سے تعلق رکھنے والے کسی گروہ کی ارتقائی نسل کہا جاسکے۔ نہ پودوں کے اور نہ ہی جانوروں کے کسی گروہ میں۔

نظریۂ ارتقاء میں کیمیائی نظریہ کا کردار

زندگی کی ابتداء کے بارے میں کیمیائی نظریہ نے بھی ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کی حمایت کی ہے۔ کیمیائی نظریہ کے بانی اوپارِن، مُلّر اور ہالڈین کے مطابق زمین جب سورج سے علیحدہ ہوئی تو بہت گرم تھی۔ وقت گزرنے کا ساتھ ساتھ زمین کا یہ تپتا ہوا گولا ٹھنڈا ہوتا گیا تو اس کی طبعی اور کیمیائی ساخت بھی تبدیل ہوتی گئی۔ ٹھنڈا ہونے سے اس پر موجود گیسیں بخارات کی شکل اختیار کرتی گئیں۔ ان ہی گیسوں میں ہائیڈروجن اور آکسیجن کے ایٹم بھی شامل تھے۔ ان دونوں گیسوں کے ایٹموں کے ایک خاص تناسب کے ساتھ باہمی کیمیائی ملاپ سے پانی کے بخارات بنے۔ فضاء میں میتھین گیس اور امونیا گیس بھی موجود تھی۔ آبی بخارات، میتھین، کاربن ڈائی آکسائیڈ اور امونیا میں سے، آسمان سے بارش کے ساتھ آسمانی بجلی کا برقی شرارہ آکر ملا تو زندگی کی اکائی بن گئی۔ زندگی کی اس اکائی کو "امائنو ایسڈ" کہتے ہیں۔ امائنو ایسڈ لحمیات کی بنیاد کہلاتی ہے۔ اور امائنو ایسڈز کے باہمی ملاپ سے ہی لحمیات بنتے ہیں۔ ڈاکٹر طاہر القادری تفسیر منہاج القرآن میں لکھتے ہیں۔

> "ان سائنس دانوں نے مندرجہ بالا گیسوں میں سے برقی شرارہ گزار کر تجربہ گاہ میں بھی یہ عمل کیا۔ ان کے اس تجربے سے بھی امائنو ایسڈ بن گیا۔ امائنو ایسڈ چونکہ زندگی کی اکائی مانی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ کہا گیا کہ زمین پر زندگی کی ابتداء اسی انداز میں ہوئی ہوگی۔ اس کے بعد زندگی کی اس اکائی پر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مزید کیمیائی عوامل ہوتے گئے۔ جن کی وجہ سے اس اکائی میں مزید تبدیلیاں پیدا ہوئیں اور مناسب ماحول اور موزوں حالات میں یہ ایک یک خلوی جان دار بن گیا(۴۳)۔"

کیمیائی نظریہ کے مطابق اس یک خلوی جان دار کی بڑھوتری ہوئی اور یہ غیر جِنسی طریقہ سے اپنی نسل بڑھاتا رہا۔ مزید عرصہ دراز گزرنے اور حالات کی تبدیلی کی وجہ سے اس یک خلوی جان دار میں مزید تبدیلیاں ہوئیں اور رفتہ رفتہ یہ کثیر خلوی جان دار بن گیا۔ اس طرح جان دار موزوں حالات کی وجہ سے اپنے اندر تبدیلیاں لاتے گئے اور نئے جان دار وجود میں آتے گئے۔ اسی تسلسل میں ایک مرحلے پر انسان بھی بندر کی شکل سے تبدیل ہوکر موجودہ شکل میں وجود میں آیا(۴۴) سائنس یہ کہتی ہے کہ جو غیر جنسی طریقے سے اپنی نسل آگے بڑھاتے ہیں وہ کبھی بھی جنسی طریقے سے نسل بڑھانے کی اہلیت وصلاحیت نہیں رکھتے اسی طرح

جنسی طریقے سے افزائش نسل کرنے والے کبھی بھی غیر جنسی طریقے سے اپنی نسل نہیں بڑھا سکتے مگر افزائش کا کیمیائی طریقہ حقائق کے بالکل منافی اور بے بنیاد ہے۔

ڈارونزم اور خلیوں کی اقسام

ڈارونزم کے حامی لوگوں کے تصوّرات کے مطابق خلیوں کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ بنیادی خلیے ۲۔ ارتقائی خلیے

جب کہ جدید تحقیق سے یہ بات ملتی ہے کہ خلیوں کی یہ اقسام غیر حقیقی ہیں۔ جدید تحقیق کے مطابق خلیوں کی درج ذیل دو اقسام ہیں۔

۱۔ جِنسی خلیے ۲۔ جِسمانی خلیے

تمام خلیوں کا تانا بانا ننانوے فی صدی ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔ خلیوں کے مابین فرق، محض ان کے ریاضیاتی پروگراموں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جسے کسی بھی طور پر ارتقائی نہیں کہا جا سکتا مثلاً جگر کے کچھ خلیوں کا پروگرام صفراوی مادہ پیدا کرنا ہے۔ پودے میں پتے کے کچھ خلیوں کا پروگرام آکسیجن کو عمل میں لانا ہے۔ ان کمپیوٹرائزڈ پروگراموں کے حامل خلیوں کو مختلف الانواع کام سرانجام دینے کی بنا پر کسی طور بھی بنیادی یا ارتقائی نہیں کہا جا سکتا۔ ان میں یہ صلاحیّتیں بتدریج نہیں آئیں بلکہ ان کی تخلیق کے وقت سے موجود تھیں (۴۵)

سُست رَو ارتقائی عمل

ڈارونزم کے مطابق ارتقائی عمل اور خصوصیات کی تبدیلی غیر محسوس اور عرصہ دراز پر محیط ہے۔ یہ عمل لاکھوں کروڑوں سالوں بعد وقوع پذیر ہوتا ہے۔ لیکن اس نظریہ کے حامل لوگ ۱۹۶۵ء میں واقع ہونے والے اس واقعے کی وضاحت نہیں کر پائے جب آئس لینڈ کے قریب زلزلہ آیا۔ اور لاوا پھٹنے کے عمل سے ایک نیا جزیرہ سرٹسے (Surtsey) وجود میں آیا۔ اس کے سال بھر بعد اس جزیرے پر ہزاروں اقسام کے کیڑے مکوڑے، حشرات الارض اور پودے پیدا ہونا شروع ہو گئے۔ اگر ارتقاء کا سست رَو عمل یہاں بھی اپنا قانون دکھاتا تو اس جزیرہ پر ایک سال کے اندر اتنے جان دار نہ پیدا ہوتے۔ اور مزید یہ کہ اس نئے ماحول کے ساتھ اتنی جلدی مطابقت پیدا نہ کر سکتے۔ ایک سال کے قلیل عرصے میں ان کیڑے مکوڑوں اور حشرات کا بغیر ارتقائی عمل کے پیدا ہونا ڈارونزم کی نفی کرتا ہے۔ (۴۶)

تخلیقِ آدم اور نظریۂ ارتقاء

ڈارون کا نظریہ ارتقاء جان داروں کی مختلف انواع سے متعلق ہے۔ جان داروں کی انواع اور ان کی ماحول سے ہم آہنگی سے متعلق ڈارون نے بہت مفید معلومات بھی فراہم کی ہیں مگر اس کی تمام معلومات صرف مشاہدات اور مفروضات پر مبنی ہیں۔ اس نظریہ میں انسان کے تدریجی ارتقاء سے متعلق جو کچھ لکھا گیا اس کو ڈارونزم کے حامی قرآن حکیم سے بھی حقیقی ہونے کے دلائل دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ڈارون کا نظریۂ ارتقاء قرآن حکیم کے عین مطابق ہے۔ قرآن حکیم کی جن آیات کو ڈارونزم کا پرچار کرنے والے حضرات دلائل کے طور پر پیش کرتے ہیں ان میں سے ایک آیت یہ ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ۴۷۔

"اور تحقیق ہم نے تم سب کو پیدا کیا اور تم سب کو صورت بخشی پھر فرشتوں سے کہا کہ آدم[علیہ السلام] کے آگے سجدہ کرو۔ پھر سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا"۔

اس آیت میں خَلَقْنٰكُمْ اور صَوَّرْنٰكُمْ کے صیغے جمع کے ہیں۔ لہٰذا یہ خطاب اس وقت کے تمام انسانوں کے بارے میں ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے دور میں موجود تھے۔ اور سجدہ کے حکم سے پہلے زمین پر بنی نوع انسان موجود تھے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان نہ تھے۔ سجدہ والے حکم کے بعد کچھ جگہوں پر تو حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کے لیے تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے مگر اکثر جگہوں پر جمع کا صیغہ ہی ہے۔ مفسرین اس کی یوں وضاحت کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو ان کی پشت میں سے پیدا فرما دیا تھا اور ان تمام روحوں کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ اور ان ہی روحوں سے اَلَستُ کا وعدہ لیا گیا تھا۔ اور روحوں کی پیدائش کے بعد فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا گیا تھا۔ جمع کے تمام صیغے حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کے لیے بیان ہوئے ہیں۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام ارتقاء کے نتیجے میں پیدا ہوئے تھے تو آپ علیہ السلام کے آباء و اجداد اور دیگر خاندان والے کہاں گئے(۴۸)

جمادات سے تخلیقِ آدم علیہ السلام

قرآن حکیم میں کسی ایک جگہ پر تخلیقِ آدم علیہ السلام کے بارے میں بیان نہیں کیا گیا بلکہ موقع و محل اور شانِ نزول کے مطابق مختلف سورتوں میں الگ الگ انداز سے مختلف مراحل کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو فوراً اور آنِ واحد میں ہی زندہ وجود عطا نہیں کیا گیا بلکہ پُتلا بناتے وقت سات مختلف مراحل کے بعد روح پھونکی گئی۔ یہ تمام مراحل مٹی کی مختلف حالتوں کے اعتبار سے ہیں۔ مٹی کی ان مختلف سات حالتوں کی سلسلہ وار ترتیب قرآن حکیم کی مختلف آیات کی تصریحات کو جمع کرنے سے اس انداز میں واضح ہوتی ہے۔

۱۔ تراب بمعنی خشک مٹی

إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ(۴۹)

"بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک [حضرت] عیسیٰ [علیہ السلام] کی مثال [حضرت] آدم [علیہ السلام] کی سی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے خشک مٹی سے ان کا قالب بنایا اور پھر فرمایا کہ ہو جا تو وہ (زندہ) ہو گئے)"۔

۲۔ ارض یعنی زمین

وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا (۵۰)"اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے پیدا کیا"

۳۔ طین بمعنی گیلی مٹی یا گارا

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَى أَجَلًا (۵۱)"وہی تو ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر (موت کا) ایک وقت مقرر کر دیا"

۴۔ طینِ لازِب بمعنی چپکتی ہوئی مٹی

إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَازِبٍ(۵۲)"(بے شک ہم نے انسان کو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا)"۔

۵۔ حماءِ مسنون بمعنی بدبودار کیچڑ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ (۵۳)

"اور ہم نے انسان کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے"۔

۶۔ صلصال بمعنی ٹھیکرا۔ حرارت سے پکائی ہوئی مٹی

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ(۵۴)

"اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے بشر بنانے والا ہوں"۔

۷۔صلصالِ کالفخّار یعنی ٹن سے بجنے والی ٹھیکری

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (۵۵)"اسی نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی ہوئی مٹی سے بنایا"۔

یہ سات مراحل ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا جسم بنانے کے لیے پہلے زمین سے مٹی لی گئی، پھر اس مٹی میں پانی ملا کر اسے گوندھا گیا اور پھر کافی عرصہ گزر جانے کے بعد یہ کیچڑ چپکنے لگی۔اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کا قالب بنایا گیا۔اس قالب کو حرارت سے قدرے پکایا گیا جس سے یہ جسم کھنکھناتی ہوئی مٹی جیسا ہو گیا۔ ان تمام مراحل کے مکمل ہونے کے بعد اس قالب میں روح پھونکی گئی۔ یہ ساتوں مراحل جمادات میں ہی پورے ہو جاتے ہیں۔ مٹی میں پانی کی آمیزش تو ہوئی مگر بعد میں وہ بھی پوری طرح خشک کر دیا گیا تھا۔ان سات مراحل میں کہیں بھی نباتات یا حیوانات کا ذکر نہیں آیا۔یوں نظریۂ ارتقاء قرآن حکیم کے بیان کردہ حقائق کے الٹ ہے۔اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا ہر روز مشاہدہ کر کے انسانِ اوّل کے معرضِ وجود میں آنے کے لیے نظریۂ ارتقاء جیسا افسانوی انداز اختیار کرنا اور اسے قبول کرنا عقل کے سراسر خلاف ہے۔(۵۶)

حضرت آدم علیہ السلام کی خصوصیات اور نظریۂ ارتقاء

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں کچھ ایسی خصوصیات ہیں جو کہ نظریۂ ارتقاء کو غلط ثابت کرتی ہیں۔(۵۷)

۱۔اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے بنایا

قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ(۵۸)

"(اللہ تعالیٰ نے) کہا کہ اے ابلیس جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھے کس نے منع کیا؟"

۲۔قوتِ ارادہ واختیار

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا، اس میں ارتقاء کے تسلسل کے عمل میں ارادہ اور اختیار کی قوت خود بخود کب اور کہاں سے آئی۔

۳۔ حضرت عیسیٰ مثل آدم علیہما السلام

إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ(۵۹)

"بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک [حضرت] عیسیٰ [علیہ السلام] کی مثال [حضرت] آدم [علیہ السلام] کی سی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے خشک مٹی سے ان کا قالب بنایا اور پھر فرمایا کہ ہو جا تو وہ ہو گئے"۔

اس آیت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں اس کے سوا اور کوئی خصوصیت مشترک نہیں تھی کہ ان دونوں برگزیدہ ہستیوں کے والد نہیں تھے۔ اور یہ دونوں بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ دونوں کی پیدائش عام انسانوں کی پیدائش سے ہٹ کر ہوئی۔ (۶۰)

نفسِ واحدہ اور نظریۂ ارتقاء

ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کے مطابق ہزاروں اجناس میں سے صرف ایک انسان کی پیدائش فردِ واحد کے طور پر عمل میں آنا ناممکن ہے۔ بلکہ اس کے برعکس یہ نظریہ اس امر کو ممکن تصور کرتا ہے کہ ارتقائی عمل سے بیک وقت بہت سے انسان پیدا ہو جائیں۔ قرآن حکیم اس بات کو حتمی طور پر بیان کرتا ہے کہ بنی نوع انسان کی تخلیق صرف ایک آدمی سے ہوئی۔ ابتدائی انسان صرف ایک تھا، بیک وقت ایک سے زائد انسان معرضِ وجود میں نہیں آئے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ایک انسان کو پیدا فرمایا اور اسی سے اس کی جوڑی کے طور پر اس کی ساتھی کی پیدائش عمل میں آئی پھر اس جوڑی سے مردوں اور عورتوں کا سلسلہ چلا[۶۱]۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً(۶۲)

"اے لوگو! اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ اور اس (ایک جان) سے اس کی جوڑی بنائی۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد اور عورت پیدا کیے"۔

خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا(۶۳)

تمہیں ایک جان سے پیدا کیا گیا پھر اس سے اس کی جوڑی بنائی۔

نفسِ واحد کا اطلاق کبھی بھی یک خلوی جان دار پر نہیں ہوتا۔ یک خلوی جان دار جنس کے تعیّن کے بغیر صرف غیر جنسی طریقہ سے اپنی نسل بڑھاتے ہیں۔ جب کہ اوپر درج کردہ آیت میں زوج کا ذکر حضرت آدم علیہ السلام کی مؤنث کے لیے ہے۔ اور ان دونوں سے انسانی نسل کا اجراء جنسی تولید کی دلیل ہے[٦٤]۔ یہاں نفس واحدہ سے مراد یہ ہے کہ ہر نسل، ہر قبیلہ، ہر رنگ، ہر مذہب، ہر وحشی، ہر مہذب، اور ہر علاقے کے رہنے والے انسانوں کے الگ الگ مورث اعلیٰ نہیں تھے بلکہ صرف اور صرف اکیلے حضرت آدم علیہ السلام تھے(٦٥)۔

ان آیات کو بنیاد بنا کر ڈارونزم کا پرچار کرنے والے حضرات کہتے ہیں کہ نفسِ واحدہ سے مراد زندگی کی ابتدا کرنے والا پہلا جرثومہ ہے جو سمندر کے کنارے کائی سے پیدا ہوا تھا۔ اس کائی کے ٹکڑے کے بارے میں بھی یہ نظریہ قائم کرتے ہیں کہ پہلے یہ دو حصوں میں تقسیم ہوا اور جب یہ دو حصے بڑے ہوئے تو ان کے پھر دو دو ٹکڑے ہوئے اور یوں تقسیم در تقسیم ہوتے ہوتے زندگی میں وُسعت آتی گئی۔ اس طریقہ میں پہلے جمادات تھے، پھر نباتات وجود میں آئے اور نباتات کے بعد حیوانات بنے۔ آخر میں حیوانات کے بعد انسان وجود میں آئے۔ حالانکہ خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی بیوی ہے۔ اور وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالاً كَثِيرًا وَنِسَآءً سے مراد یہ ہے کہ اس پہلے جوڑے سے ان کی اولاد توالد و تناسل کے ذریعے سے پیدا ہوئی۔ ایک جرثومہ سے زندگی کی بقاء اور نسل کی بڑھوتری کی یہ صورت کبھی بھی نہیں ہوسکتی۔ دو الگ الگ حصوں میں توالد و تناسل کا سلسلہ نہیں ہوسکتا اور نہ ہی وہ دو ٹکڑے ایک دوسرے کے زوج کہلا سکتے ہیں۔(٦٦)

رحمِ مادر میں انسانی پیدائش اور نظریۂ ارتقاء

ماں کے پیٹ میں بے وَقعت پانی کا قطرہ یا اس قطرہ کے کروڑوں جرثوموں میں سے ایک جرثومہ قرار پذیر ہوتا ہے تو اس میں طرح طرح کی عجیب و غریب تبدیلیاں وقوع پذیر ہونے لگتی ہیں۔ صرف خوردبین سے دکھائی دینے والا جرثومہ چند دنوں میں ایک قطرے کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ وہ خون کا قطرہ کچھ دنوں کے بعد گوشت بن جاتا ہے۔ اس گوشت میں قدرت کی عجیب کاری گریوں کے باعث چھوٹی، بڑی، سیدھی، ٹیڑھی طرح طرح کی ہڈیاں بننے لگتی ہیں۔ پھر وہیں مختلف قسم کے بیرونی اعضاء ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، ناک وغیرہ نمودار ہونے لگتے ہیں۔ اسی گوشت کے لوتھڑے میں سے ایک حصہ کو دِل بنا دیا جاتا ہے۔ کسی حصے سے جگر اور

کسی سے معدہ بنتا ہے۔ پھر جسم کے ان مختلف حصوں کے درمیان رگوں اور شریانوں کا جال بچھ جاتا ہے۔ اعصاب کے ذریعے تمام اعضاء کے درمیان مواصلاتی نظام قائم ہو جاتا ہے۔ اگر ایک دماغ کی ساخت پر ہی گہری نظر ڈالی جائے تو انسان حیران رہ جاتا ہے کہ اتنی نازک مشینری، چھوٹے چھوٹے کروڑوں خلیوں سے مرکب ہے۔ پانی کے اس حقیر قطرہ یا اس کے کروڑوں جرثوموں میں سے ایک جرثومہ کو مختلف مدارج طے کر کے انسانِ کامل بننے میں صرف نوماہ کا عرصہ لگتا ہے۔ نظریۂ ارتقاء کے حاملین کے نزدیک تو ایسی تبدیلیاں وقوع پذیر ہونے کے لیے اربوں سال چاہیے تھے۔ لیکن جدید طب، علمِ تشریح الابدان، علم الجنین اور عام مشاہدہ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ یہ سارے حیران کن تغیرات صرف نو ماہ کے قلیل عرصہ میں واقع ہوتے ہیں۔(٦٧)

علقہ اور نظریۂ ارتقاء

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں انسان کی پیدائش کے ایک مرحلے کے بارے میں فرمایا:

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (٦٨)(انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا)۔

اس آیت میں عَلَقَ کے معنی جمے ہوئے خون کی پھٹکی بھی ہے اور جونک بھی۔ ماں کے پیٹ میں انسان پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ یہ ایک جونک کی طرح سے ماں کے پیٹ کے ساتھ چمٹ کر ماں کے خون سے اپنی خوراک حاصل کرتا رہتا ہے۔ جدید طبی تحقیقات سے بھی یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ انسانی تخلیق میں علق کے مرحلے پر جنین کی شکل ہو بہو جونک جیسی ہوتی ہے۔ ڈارِونزم کے حامی اس آیت میں لفظ عَلَقَ سے جونک مراد لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ انسان ارتقائی منازل سے گزرتا ہوا ایک مرحلے پر جونک کی شکل میں تھا اور پھر اس کے بعد مزید ارتقائی منازل طے کر کے موجودہ شکل اختیار کی۔ اس بات کا فیصلہ بھی قرآن حکیم سے ملتا ہے۔(٦٩)

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا(٧٠)

"پھر ہم نے نطفہ سے جمے ہوئے خون کی پھٹکی بنایا۔ پھر ہم نے اس لوتھڑے سے گوشت کی بوٹی بنائی۔ پھر ہم نے بوٹی سے ہڈیاں بنائیں۔ پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا"۔

انسان کی پیدائش کے یہ تدریجی مراحل صاف بتارہے ہیں کہ یہ ماں کے پیٹ میں ہونے والے تغیرات ہیں۔ ارتقاء کے مراحل ان پر منطبق نہیں ہوسکتے۔ اور اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عَلَق سے مراد ارتقائی مرحلہ والی جونک نہیں ہے بلکہ ماں کے پیٹ کا مرحلہ جمے ہوئے خون کی پھٹکی یا لوتھڑا مراد ہے۔ ارتقائی مراحل کے لیے یک خلوی جان دار سے پورا انسان بننے تک اربوں سال کا عرصہ درکار ہے جب کہ قرآن حکیم میں بیان کیے گئے یک خلوی (سپرم) سے پورا انسان بننے تک صرف نو ماہ کا عرصہ لگتا ہے(۷۱)

نظریہ ارتقاء پر مغربی مفکرین کے تبصرے

سائنس محض نظریات کا نام نہیں ہے بلکہ مشاہدات سے لے کر قوانین اخذ کرنے تک کے ترتیب وار مراحل کا نام ہے۔ سائنسی طریقہ کار میں سب سے پہلے مشاہدہ کا مرحلہ آتا ہے۔ اس مرحلہ میں سائنس دان زیرِ تحقیق مسئلہ کا بغور مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کے بعد اس مسئلہ کے بارے میں مفروضات قائم کرتا ہے۔ ان مفروضات کو باری باری تجربات پر پرکھتا ہے۔ اس جانچ پرکھ کے دوران ہی ایک نظریہ جنم لیتا ہے۔ نظریہ صحیح بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی۔ کسی بھی مسئلہ میں نظریہ کو قانون کا درجہ صرف اور صرف اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے جب وہ مفروضہ تجربات کے بعد صحیح ثابت ہو جائے۔ سائنسی طریقۂ کار سے ناواقف لوگ تجربات کے بغیر ہی اس نظریے کو قانون کا درجہ قرار دے کر اس کا پرچار کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس سے بہت سی غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں۔ یہی حقیقت ڈارون کے نظریہ کے ساتھ بھی پیش آئی کہ نظریہ کو تجربات پر پرکھے بغیر ہی سائنسی قانون سمجھ لیا گیا۔ حقیقت پسند سائنس دانوں نے ارتقاء کے نظریہ کو کبھی بھی قبول نہیں کیا۔ کیونکہ یہ نظریہ سائنسی نقطہ نظر سے تجربات پر پورا نہیں اترتا۔ اس بات کو ہر کوئی نہیں سمجھتا کہ ڈارونزم اور نیو ڈارونِزم کے خلاف سائنسی شہادتوں کا انبار لگتا جارہا ہے۔ اس نظریہ کی تنقید میں پچھلے چند برسوں کے دوران اہم ماہرین حیاتیات کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا ہے۔ مشہور مغربی ماہرینِ حیاتیات ارتقائی نظریہ کو کس انداز میں دیکھتے ہیں، اس بات کا جائزہ لینے کے لیے ارتقائی مفروضے کے خلاف جن مغربی سائنس دانوں نے اپنے مقالوں یا کسی اور طرح سے جو بیانات دیے ہیں، نمونہ کے طور پر ان میں سے چند ایک کو یہاں درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ اطالوی سائنس دان روزا کہتا ہے کہ گذشتہ ساٹھ سال کے تجربات اس نظریہ کو غلط قرار دے چکے ہیں۔

۲۔ مشہور سائنس دان ڈی وریز(De-Viries)ارتقاء کے نظریہ کو باطل قرار دیتا ہے۔ یہ سائنس دان اس کے بجائے انتقالِ نوع(Mutation)کا قائل ہے۔ جسے آج کل فجائی ارتقاء (Emergence Evolution)کا نام دیا جاتا ہے۔ اور یہ نظریہ علت و معلول کی کڑیاں ملانے سے آزاد ہے۔

۳۔ وَالّیس(Vallece)عام ارتقاء کا تو قائل ہے مگر انسان کو ارتقاء سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے۔

۴۔ فرخو کہتا ہے کہ انسان اور بندر میں بہت فرق ہے۔ اور یہ کہنا بالکل لغو ہے کہ انسان بندر کی اولاد ہے۔

۵۔ میفرٹ کہتا ہے کہ ڈارون کے ارتقائی نظریہ کی تائید ناممکن ہے۔ اور اس کی رائے بچوں کی باتوں سے زیادہ وَقعت نہیں رکھتیں۔

۶۔ آغاسیز کے مطابق ڈارون کا نظریہ سائنسی لحاظ سے بالکل غلط اور بے اصل ہے۔ اس نظریہ کا سائنس سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔

۷۔ ہکسلے(Huxley)اس بات کا قائل ہے کہ ارتقاء کے نظریہ کے دلائل سے یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہوتی کہ نباتات یا حیوانات کی کوئی نوع کبھی طبعی انتخاب سے پیدا ہوئی ہو۔

۸۔ ایک سائنس دان ٹنڈل کا بیان ہے کہ نظریۂ ارتقاء قطعاً ناقابلِ التفات ہے کیونکہ اس نظریہ کی بنیاد ہی ناقابلِ تسلیم ہے۔

۹۔ ایک جدید سائنس دان ڈیوان گش (Duane Gish)کے بقول ارتقاء محض ایک فلسفیانہ خیال ہے اور اس کی کوئی سائنسی بنیاد نہیں ہے۔

۱۰۔ علمِ حیاتیات کا پروفیسر آر۔ پی۔ گولڈ شمڈت (R.P.Gold Schmidt) نظریۂ ارتقاء کا پرجوش حامی ہے۔ وہ اس حد تک ضرور دیانت دار ہے کہ اس کے بقول ارتقائی نظریہ کے حق میں اب تک شک و شبہ سے بالاتر کوئی بھی شہادت نہیں مل سکی اور یہ کہ یہ نظریہ محض سوچ کا ایک انداز ہے۔

۱۱۔ پیئر پال گریس (Piere-Paul Grasse)نے ارتقاء کے نظریہ کے ماننے والوں کو نیم سائنس دان کہا ہے۔

۱۲۔ پروفیسر گولڈ سمڈت اور پروفیسر میکبیتھ (Macbeth) نے ارتقاء سے متعلق کتابوں میں چھپی تصویروں کو من گھڑت کہا ہے۔

۱۳۔ آکسفرڈ ڈکشنری کے مطابق کسی بھی نظریے کے سائنسی حقیقت بننے تک یہ ضروری ہے کہ وہ نظر آنے والے حقائق کا حامل ہو اور عام قوانین کے اندر ثابت ہو سکے[۷۲]۔

ڈاکٹر ہلوک نور باقی کے مطابق

"The most famous of Jewish and Christian scientists do not believe in evolution, but remain spectators in this game of pandemonium. The fact remains that there is no such philosophic creature as evolution. It is an imaginary theory and philosophy. In other words, the claims in the name of science about the origin of man are wholly untrue.(۷۳)

مشہور ترین یہودی اور عیسائی سائنس دان ارتقاء پر یقین نہیں رکھتے، لیکن اس شور و شغب والے دلچسپ کھیل کو دیکھنے میں محو ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ارتقاء جیسی فلسفیانہ مخلوق موجود نہیں ہے۔ یہ ایک تصوراتی نظریہ اور فلسفہ ہے۔ بالفاظ دیگر، سائنس کے نام پر انسان کی اصل کا یہ دعویٰ مکمل طور پر غلط ہے۔

مشہور یہودی اور عیسائی سائنس دان بھی نظریۂ ارتقاء پر یقین نہیں رکھتے لیکن وہ اس غیر سنجیدہ کھیل میں خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ حقیقت اب بھی یہ ہے کہ دنیا میں ارتقاء کی پیداوار کوئی جان دار نہیں ہے۔ یہ ایک خیالی نظریہ اور فلسفہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں سائنس کے نام پر انسان کی ابتدا اور ارتقاء کے جو دعوے کیے جاتے ہیں وہ غلط ہیں۔ آج تک اس کا کوئی سائنسی ثبوت نہیں ہے بلکہ اس سلسلے میں معمولی سی شہادت بھی نہیں ملتی جو یہ ظاہر کر سکے کہ انسان کی ابتدا کیا تھی، لہٰذا ڈارون کا نظریۂ ارتقاء عقل اور منطق کی رُو سے ایک بے بنیاد مفروضے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مفروضے کی اُٹھان سائنسی دلائل کے بجائے فہم و ادراک سے ماوراء تصورات اور واہموں کا ملغوبہ ہے۔

نتائج بحث

درج بالا مقالہ سے بذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

ا۔ ڈارون نے مذہب بیزاری کی وجہ سے مذہب مخالف نظریہ پیش کیا۔

۲۔ ڈارون باقاعدہ کوئی سائنس دان نہیں تھا بلکہ ایک جہاز پر بطور جغرافیہ دان سفر کیا اور سفر کے دوران جو کچھ دیکھا اسے اپنے انداز سے مربوط کر کے نظریہ ارتقاء پر کتاب لکھ دی۔

۳۔ نظریہ ارتقاء کو سائنسی تجربات سے غلط ثابت کیا جا چکا ہے۔

۴۔ نظریہ ارتقاء قرآن مجید کے صریح حقائق کے خلاف ہے۔

۵۔ دنیا کے معروف سائنس دانوں نے اس نظریہ کی تائید نہیں کی بلکہ اسے محض تصورات اور فلسفیانہ خیالات قرار دیا ہے۔

سفارشات

نتائجِ بالا کی روشنی میں درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

ا۔ پاکستان میں بیالوجی کے نصاب میں ڈارونزم اور زندگی سے متعلقہ مواد چونکہ خلافِ حقیقت ہے لہٰذا اسے نصاب سے خارج کیا جائے۔

۲۔ سائنس کے طالب علموں کو ڈارونزم سے متعلقہ حقائق سے آگاہی دی جائے اور انسان کی تخلیق سے متعلق آیات اور سائنسی حقائق کو شامل نصاب کیا جائے۔

حوالہ جات و حواشی

ا۔ کیلانی، عبدالرحمٰن، مولانا، **تیسیر القرآن**، مکتبۃ السلام، سٹریٹ ۲۰، وسن پورہ لاہور، شوال ۱۴۳۲ھ، ج ۲، ص ۴۸۳

۲۔ الازہری، پیر کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ج ۲، ص ۵۳۹

۳۔ ایضاً، ج ۳، ص ۶۲۸

۴۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، **تفہیم القرآن**، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ستمبر ۲۰۰۷ء، ج ۲، ص ۱۰۸

۵۔ **تیسیر القرآن**، ج ۲، ص ۴۸۳

۶۔ ایضاً، ص ۴۸۲

7. Dr Haluk Nurbaki, Verses From The Holy QURAN And The Facts Of Science, Indus Publishing Corporation, High Court Road, Karachi, 1st Edition, 1992, P247

۸۔ **تیسیر القرآن**، ج ۲، ص ۴۸۷

۹۔ **ضیاء القرآن**، ج ۳، ص ۶۲۸

۱۰۔ طاہر القادری، ڈاکٹر، **تفسیر منہاج القرآن**، ادارہ منہاج القرآن لاہور، ۱۹۹۲ء، ج ۱، ص ۴۹۰

۱۱۔ **تیسیر القرآن**، ج ۲، ص ۴۸۶

۱۲۔ **تیسیر القرآن**، ج ۲، ص ۴۸۷

۱۳۔ ایضاً، ص ۴۸۳

۱۴۔ **تیسیر القرآن**، ج ۲، ص ۴۸۲

۱۵۔ سورۃ البقرہ ۲:۵۲

۱۶۔ **تیسیر القرآن**، ج ۲، ص ۴۸۳

۱۷۔ **تیسیر القرآن**، ج ۲، ص ۴۸۳

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ **تیسیر القرآن**، ج ۲، ص ۴۸۴

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ ڈارون اور اس کے پیروکار اسی بندر کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ انسان کا جدِّ امجد ہے۔

۲۲۔ **تیسیر القرآن**، ج ۲، ص ۴۸۳

23. Haroon Yahya, The Signs In The Heavens And The Earth; For Men Of Understanding, Ta-Ha Pub. Ltd. I Wynne Road London SWI OBB. 2nd Edition, January 2001, P240

۲۴۔ **تیسیر القرآن**، ج ۲، ص ۴۸۳

۲۵۔ ایضاً، ص ۴۸۵

۲۶۔ **تیسیر القرآن**، ج ۲، ص ۴۸۵

۲۷۔ **تفسیر منہاج القرآن**، ج ۱، ص ۴۸۶

۲۸۔ **تیسیر القرآن**، ج ۲، ص ۴۸۵

۲۹۔ **تفسیر منہاج القرآن**، ج ۱، ص ۴۸۹

۳۰۔ **تیسیر القرآن**، ج ۲، ص ۴۸۵

۳۱۔ **تیسیر القرآن**، ج ۲، ص ۴۸۵

۳۲۔ **تیسیر القرآن**، ج ۲، ص ۴۸۶

33. Verses From The Holy QURAN And The Facts Of Science, P202

34. Ditto

35. Oxford Pocket size English learner dictionary

36. Microsoft Encarta Encyclopedia. (DVD)

۳۷۔ **تفسیر منہاج القرآن**، ج ۱، ص ۴۸۵

38. Encyclopedea Britanica 2009 (DVD)

۳۹۔ سورۃ النور ۲۴:۴۵

۴۰۔ سورۃ الانعام ۶:۹۹

۴۱۔ سورۃ الرعد ۱۳:۴

۴۲۔ سورۃ التین ۹۵:۴

۴۳۔ **تفسیر منہاج القرآن**، ج ۱، ص ۴۸۶

۴۴۔ **تفسیر منہاج القرآن**، ج ۱، ص ۴۸۶

۴۵۔ ایضاً، ص ۴۸۸

46. Verses From The Holy QURAN And The Facts Of Science, P201

۴۷۔ سورۃ الاعراف ۷:۱۱

۴۸۔ **تیسیر القرآن**، ج ۲، ص ۳۱۔۳۲

۴۹۔ سورۃ آل عمران ۳:۶۹

۵۰۔ سورۃ نوح ۷۱:۱۷

۵۱۔ سورۃ الانعام ۶:۲

۵۲۔ سورۃ والصّٰفّٰت ۳۷:۲۱۱

۵۳۔ سورۃ الحجر ۱۵:۲۶

۵۴۔ سورۃ الحجر ۱۵:۲۸

۵۵۔ سورۃ الرحمٰن ۵۵:۱۴

۵۶۔ **ضیاء القرآن**، ج۳، ص ۶۳۰

۵۷۔ **تیسیر القرآن**، ج۲، ص ۳۳

۵۸۔ سورۃ ص ۳۸:۷۵

۵۹۔ سورۃ آل عمران ۳:۵۹

۶۰۔ تیسیر القرآن، ج۲، ص ۳۳

۶۱۔ **تفسیر منہاج القرآن**، ج۱، ص ۴۸۲

۶۲۔ سورۃ النساء ۴:۱

۶۳۔ سورۃ الزمر ۳۹:۶

۶۴۔ **تفسیر منہاج القرآن**، ج۱، ص ۴۸۳

۶۵۔ مولانا عبد الماجد دریا آبادی، **تفسیر ماجدی**، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، اکتوبر ۲۰۰۱ء، ط۴، ص ۱۷۷

۶۶۔ **ضیاء القرآن**، ج۳، ص ۶۳۰

۶۷۔ **ضیاء القرآن**، ج۳، ص ۶۳۰

۶۸۔ سورۃ العلق ۹۶:۲

۶۹۔ **تیسیر القرآن**، ج۲، ص ۳۲

۷۰۔ سورۃ مؤمنون ۲۳:۱۴

۷۱۔ **تیسیر القرآن**، ج۲، ص ۳۳

72. Verses From The Holy QURAN And The Facts Of Science, P200.

73. Ditto, P207.